مسلمان اور امامت کبریٰ
(۳)

از جناب مولوی صدرالدین صاحب اصلاحی

باہمی عداوتیں | خلافت الٰہی کے قیام کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام اختلافات اور اہواء و آراء کی تمام ہولناک بدعتوں کا خاتمہ کر دیا جائے، امت کے سارے افراد ایک اعلیٰ اور عادلانہ نظام کے ماتحت امن و سکون کی مسرت انگیز زندگی گزاریں، شیطان کی فساد انگیزیوں کے تمام منافذ بند کر دیے جائیں اللہ کی زمین پر اللہ کے بندوں پر اللہ ہی کا مقرر کردہ قانون حکومت کرے کیونکہ اُس سے بڑھ کر کوئی مدبر نہیں، اس سے بڑھ کر کوئی حکیم نہیں، اس سے بڑھ کر احوال عباد کا کوئی علیم نہیں، اس کی نگاہ سے کوئی مصلحت اوجھل نہیں رہ سکتی، عواقب اس سے مخفی نہیں، انسانی دماغوں کے بنائے ہوئے قوانین کی طرح اس کے احکام جانبداری، کوتاہ نظری اور انجام سے بے خبری پر مبنی نہیں ہوتے، اسی واسطے دنیا میں جو انسانی نظام بھی چلایا جاتا ہے وہ امن و انصاف سے بڑھ کر شر و فساد کا باعث ہوتا ہے، اور جب ایسا ہوتا ہے کہ دنیا خدا کے بنائے ہوئے اصول کو ترک کر دیتی اور اپنے ظن و تخمین کی تاریکیوں میں ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہے تو خدا کی رحمت نمودار ہوتی ہے، پیغمبر آتا ہے کہ کائنات ارضی پر فساد و فتن کے جو ہولناک شعلے بھڑک رہے ہیں انھیں رحمت الٰہی کے چھینٹوں سے سرد کر دے اور پھر ایسا ہو کہ خدا کی بادشاہت از سر نو قائم ہو جائے چنانچہ دنیا کے آخری ہادی اور رحمۃ للعالمین کو یہی حکم ہوا تھا کہ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ۔

یہود و نصاریٰ کو بھی اسی لیے خلافت الٰہی کا تاج و تخت بخشا گیا تھا کہ وہ امن و سلامتی کے

علمبردار ہوں گے اور پوری امت میں احکام الٰہی کا نفاذ کر کے وحدت اور مساوات کی تخم ریزی کریں گے لیکن جب انہوں نے آئین سماوی کے تار و پود بکھیر کر رکھدئے، احکام شریعت کو تابوت سکینہ میں رکھ کر محض تبرک وتیمن کا کام لینے لگے اور عبادات وسیاسیات اور اخلاق ومعاملات غرض ہر ہر قدم پہ اپنے فہم وتدبیر اور قوت قانون سازی پر بھروسہ کرنے لگے تو پھر وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔ انسانی خواہشات میں توافق کبتک قائم رہتا؟ آخر انسان کی فطری منافست نے رنگ دکھلایا اور قوم کی جمعیت پارہ پارہ ہو کر رہ گئی، بغض وعداوت کی آگ بھڑک اٹھی، بھائی کی چھری بھائی کی گردن پہ چلنے لگی امن وانصاف کے مدعیوں نے قتل وخونریزی اور فساد فی الارض کا بیڑا اٹھا لیا۔

قرآن حکیم کہتا ہے کہ تحریف کتاب، نقض میثاق اور احکام شرعیہ سے بے اعتنائی کی پاداش میں ان پر یہ لعنت مسلط کی گئی ہے جو ابدی اور سرمدی ہے، قیامت تک اس عذاب سے گلو خلاصی ممکن نہیں۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّا نَصٰرٰى اَخَذْنَا	ان لوگوں سے جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں ہم نے
مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ	عہد لیا پھر انہوں نے اس چیز کا ایک حصہ بھلا دیا
فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ	جس سے ان کو تذکیر کیگئی تھی پس ہم نے ان کے اندر
اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ (مائدہ ۳)	عداوت اور بغض کی آگ بھڑکا دی قیامت تک کیلیے۔

یہود کے متعلق فرمایا۔

وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ	ان کے درمیان ہم نے بغض وعداوت کو ڈال دیا ہے
اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ الآیۃ (مائدہ ۹)۔	قیامت تک کے واسطے۔

اس آیت کے بارے میں ارباب تاویل کا اختلاف ہے کہ آیا بغض وعداوت خود انھیں یہودیوں کے مابین ڈالدی گئی ہے یا مسلمانوں کے خلاف انھیں آمادۂ پیکار بنا دیا گیا ہے جیسا کہ

بعد میں اشارہ ہے۔ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ۔ اگر دوسری تاویل مان لی جائے جب بھی نتیجہ وہی رہا یعنی فساد فی الارض اور حق سے علانیہ بغاوت۔ آج یہودیوں کی مسلمانوں کے ساتھ دشمنی عالم آشکارا ہے، رہ گئے نصاریٰ جن کے متعلق بالکل کھلے لفظوں میں پیشین گوئی موجود ہے کہ وہ ایک دوسرے کے خلاف قیامت تک سازشیں کرتے اور آپس میں کھنچے رہیں گے تو زمانے سے بڑھ کر کوئی شاہد نہیں۔ عیسائی حکومتوں کی باہمی چپقلش کا ہیبتناک نظارہ کن نگاہوں سے مخفی ہے؟ کون حکومت ہے جو اپنے مفاد اور بہیمی خواہشات پر سارے نظام امن کو قربان نہیں کرنا چاہتی؟ کون ہے جو کہ رحمت و رافت کو قابل احترام سمجھ رہی ہے؟ کون ہے جو اپنی عیش پرستیوں کے لیے دوسروں کے منہ کی روٹی چھین نہیں لینا چاہتی؟ آئے دن قانون بنتے ہیں، معاہدے ہوتے ہیں لیگیں قائم ہوتی ہیں، امن عالم کے خیالی وعظ ہوتے ہیں، دنیا میں سکون پیدا کرنے کی ترکیبیں سوچی جاتی ہیں ظلم اور غضب کے خلاف محاذ قائم کیا جاتا ہے، لیکن جرمن ڈکٹیٹرشپ ہو یا برطانی دستوریت، اٹلی کی فسطائیت ہو یا فرانس کی جمہوریت، سب جنگ کا شرارہ ہیں جو ہر وقت امن عالم کو تباہ کر دینے اور پورے کرۂ ارض کو قتل و خونریزی کے ہولناک جہنم میں ڈھکیل دینے کے لیے تیار رہے۔ کیا یہ سب کچھ قرآن کی پیشین گوئیوں کے خلاف ہو رہا ہے؟ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ۔

اکل حرام | زر پرستی یہود کی قومی خصوصیات کا سب سے نمایاں جوہر ہے حتّٰی کہ ایک یہودی کے لیے چند روپیوں کے عوض انسانی جسم کا گوشت کاٹ لینا آسان تھا مگر چھوٹی سے چھوٹی رقم کا معاف کر دینا ممکن نہ تھا۔ سیم و زر کے چند ٹکڑوں پر دین و ایمان جیسی متاع عزیز کو قربان کر دینا ان کے لیے کھیل تھا۔ تحصیل مال ان کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا۔ اسی کیلیے وہ جیتے تھے اور اسی کے پیچھے مرتے تھے۔ مال و دولت ہاتھ آنا چاہیئے، خواہ حلال طریقہ سے ہو یا حرام طریقہ سے۔ جس وقت انھیں اس کی دھن سوار ہوتی اس وقت شرعی قیود تار عنکبوت سے زیادہ کمزور ہوتے۔ بیک جنبش ساری بیڑیاں ٹوٹ جاتیں

کور باطنی اور نفس پروری کی ایسی گھناؤنی تصویر صفحہ کائنات کے کسی گوشہ میں نظر نہیں آسکتی جو ان کے مرقع زندگی میں ہمیں نظر آتی ہے۔ قرآن نے متعدد مقامات پر ان کی اس حرام خوری کی مذمت کی ہے، ایک جگہ ہے۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (مائدہ ٦٥) وہ جھوٹ سننے کے خوگر ہیں اور ان کو حرام خوری کا سخت لپکا ہے۔

آگے چل کر پھر فرمایا۔

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (مائدہ ۹) ان میں سے اکثر کو تم دیکھو گے کہ وہ گناہ اور سرکشی کی باتوں نیز حرام کھانے میں بڑی پھرتی دکھاتے ہیں، کیسا برا کام تھا جو یہ کرتے تھے۔

لیکن افسوس! اس مغضوب قوم کا خمیر اس قدر فاسد ہو چکا تھا کہ ان کے رہنماؤں کے دلوں میں بھی ان منکرات کے خلاف کوئی ٹیس نہ اٹھتی کہ امت کو اس کھلی ہوئی گمراہی سے باز رکھنے کی کوشش کرتے۔ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ۔

یہی نہیں بلکہ ان علمبرداران ہدایت اور شاہدین حق و صداقت کا پیٹ عوام سے بھی کچھ زیادہ وسیع تھا۔ وہ بھی لوگوں کا مال شیر مادر سمجھ کر بلا تکلف اڑاتے تھے وہ تو ارباب من دون اللہ بنے بیٹھے تھے، نذروں کی بارش ہوا کرتی تھی، خلق خدا ان کو پوجتی اور وہ ان کی جیبوں کو پوجتے۔ قرآن کہتا ہے کہ ان علماء سوء نے دولت سمیٹنے میں حرام و حلال کی تمیز بھی اٹھا دی تھی حتیٰ کہ اس کے لیے صد عن سبیل اللہ جیسے سیاہ جرموں کے ارتکاب سے باز نہ آتے:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ اے ایمان والو بہت سے احبار اور رہبان لوگوں کا

اَلْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ مال غلط طریقہ سے (لوٹ لوٹ کر) کھاتے ہیں اور بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (توبہ ۵) انھیں اللہ کی (روشن اور سیدھی) شاہ راہ سے باز رکھتے ہیں

ان زخارف دنیوی کے لیے مسجد اقصیٰ کی حرمت بھی بیچ ڈالی گئی تھی ہیکل سلیمانی ذکر و تسبیح کے بجائے تجارت کا مرکز بن گیا تھا، حضرت مسیح نے انھیں ہنگاموں کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ اے فریسیو تم نے خداوند خدا کے مقدس گھر کو لومڑیوں کا بھٹ بنا ڈالا ہے۔

موالات کفار و مشرکین | اہل کتاب نے جب دین الٰہی کا دامن چھوڑ دیا اور وحدت ملی کو پارہ پارہ کرکے دنیا طلبی اور دنیا سازی کے سامنے اپنی اپنی پیشانیاں ٹیک دیں اس وقت ان کی عداوت کا معیار بدل جانا بھی ضروری تھا۔ وہ کسی کی طرف تعاون اور موالات کا ہاتھ بڑھاتے تو محض اتباع شہوات کی بنا پر اور اگر کسی سے ترک موالات کرتے تو نفس کے اشارہ اور دنیوی مصالح کی رعایت پر۔ الحب فی اللہ و البغض فی اللہ کا ان کے نزدیک کوئی مفہوم نہ تھا، وہ یہ بھول بیٹھے تھے کہ صرف اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین ہی مومنوں کا طغرائے امتیاز ہے۔ قرآن کا فیصلہ تو یہ ہے کہ دنیا میں کسی ایسی قوم کا وجود محال ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر صدق دل سے ایمان بھی لاتی ہو اور پھر ان لوگوں سے ربط ضبط اور تعاون و موالات بھی رکھتی ہو جو خدا کے باغی اور نافرمان ہیں۔ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْآ اٰبَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ الآیہ (مجادلہ ۳) لیکن یہ ایمان باللہ کے مدعی اور ایمان بالیوم الآخر کے صرف معتقد ہی نہ تھے بلکہ خدا کے محبوب اور لاڈلے بننے کا اور جنت کی وراثت کا بیانگ دہل دعویٰ بھی کرتے تھے لیکن حال یہ تھا کہ خدا کے باغیوں اور نبی کے دشمنوں سے علی الاعلان ان کا رشتہ ناتہ تھا۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الآیۃ (مائدہ ۱۱) تم دیکھتے ہو کہ انھیں سے اکثر کافروں کو اپنا ولی بناتے ہیں

آگے چل کر فرمایا کہ اگر یہ لوگ اللہ اس کے رسول اور اس کی کتاب پر ایمان رکھتے ہوتے تو ہرگز کفار سے موالات نہ کرتے۔ گویا یہ چیز کفر و ایمان کی سرحد اور حق و باطل کی علامت فارقہ ہے لیکن قلوب پر جب شہوات کی تیرگی چھا جاتی ہے اور آنکھوں میں دنیا ہی دنیا سما جاتی ہے اس وقت حق و باطل کی تمیز ہی اٹھ جاتی ہے حق کی محبت اور باطل سے نفرت کا سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے؟

تلاش حیل | جب فطرت انسانی ہجوم شہوات کی وجہ سے زنگ آلود ہو جاتی ہے اور باطن خشیت الٰہی کے جوہر پاک سے خالی ہو جاتا ہے اس وقت انسان احکام فوقانی کو اپنے نفس کے بھینٹ چڑھانا شروع کر دیتا ہے۔ کچھ کو تو بالکلیہ ترک کرنے پر مجبور رہوتا ہے، بعض کو توڑ مروڑ کر موافق بناتا ہے، لیکن آخر میں اس کی قلبی شقاوت اور جسارت اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ وہ احکام الٰہی سے تمسخر کرنے لگتا ہے، احکام کے قالب سے شرعی روح نکال کر انھیں اپنی نفسانی خواہشات کا آلۂ کار بناتا ہے، عالم الغیب والشہادہ کو دھوکا دینا اور مخلوق کی آنکھوں میں خاک جھونکنا چاہتا ہے، مذہب کے نام پر مذہب کی روح کو اپنے نفس کی کند چھری سے ذبح کر ڈالتا ہے کتاب الٰہی حیلوں کا تختۂ مشق بن جاتی ہے۔

سبت کا دن یہودیوں کا مقدس اور متبرک دن تھا اس روز شکار کرنا ان کے لیے حرام تھا لیکن قدرت بھی ان کے ایمان کی قوت کو جانچنا چاہتی تھی۔ کیونکہ یہ اس کی قدیم سنت ہے کہ ایک طرف تو وہ مرغوبات نفس کے اتھاہ سمندر میں ڈال دیتی ہے پھر یہ مطالبہ کرتی ہے کہ ہوشیار! دامن عزیمت تر نہ ہو۔ یہود جیسی بے صبری قوم کے لیے اس نے سبت کے دن شکار کی ممانعت کر دی اور دریا کی مچھلیوں کو حکم دیا کہ وہ خاص کر اسی روز سر نکال کر سطح آب پر تیریں۔ آخر کار ان کی لالچی طبیعتیں صورت حال کا مقابلہ نہ کر سکیں، لیکن کھلم کھلا قانون الٰہی کی خلاف ورزی اور سبت کی بے حرمتی بھی کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اس وجہ سے ترکیب یہ نکالی کہ دریا کے کنارے اس سے متصل ایک چھوٹا سا تالاب کھود ڈالا، جب سبت کے دن مچھلیاں سر اٹھا اٹھا کر تیرنے لگتیں یہ تالاب کا دہانہ کھول دیتے مچھلیاں

اس میں چلی جاتیں، شام کو دہانہ بند کر دیتے اور دوسرے روز تمام مچھلیاں پکڑ لیتے۔ قرآن نے ان کی اس حیلہ جوئی کو عدوان سے تعبیر کیا ہے اور جہاں یہود کی بہت سی علمی و عملی گمراہیاں گنائی ہیں اس شرارت کو بہت زیادہ نمایاں طریقہ سے بیان کیا ہے اور اس کے ذریعہ سے یہود پر الزام رکھا ہے کہ جس قوم کی باطنی بغاوتیں اس حد تک پہنچ چکی ہوں اور دنیا کا عشق جس کے رگ و پے میں اس طرح سرایت کر گیا ہو وہ کس طرح آسمانی بادشاہت کے تاج و تخت کی سزاوار ہو سکتی ہے۔

وَاسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ الایۃ (اعراف ۲۱)

اس قریہ کے متعلق ان لوگوں سے پوچھو جو لب دریا واقع تھا جب کہ وہاں کے باشندے سبت کے معاملہ میں زیادتیاں کرتے جبکہ ان کے سبت منانے کے دن مچھلیاں سر نکال نکال کر آتیں (تیرتیں) اور جب سبت کا دن نہ ہوتا نہ آتیں۔

لیکن یہ حیلہ سازیاں وہ کس کے ساتھ کر رہے تھے؟ اس زبردست اور انتقام لینے والے قادر مطلق کے ساتھ جو باطن کے بھیدوں کو جاننے والا اور دل کی نیتوں کو پڑھ لینے والا ہے۔ اس عدوان پر اس کے انتقام کا چہرہ بھی تمتما اٹھا اور اس نے انھیں انسانی حدود سے نکال کر سوروں اور بندروں میں ملحق کر دیا کہ دنیا کو عبرت ہو۔ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ (بقرہ ۔ ۸)۔

جہل و رائے پرستی اور تعلیم کتاب سے بے خبری یہ ساری امم سابقہ کی سنت چلی آ رہی ہے کہ پیغمبر کے دنیا سے چلے جانے کے بعد زمانہ جوں جوں گذرتا جاتا ہے عام افراد امت شریعت کی صاف اور ستھری تعلیمات کو بھلاتے جاتے ہیں، اس وقت شریعت کا حقیقی نور ظواہر و رسوم کے حجابات میں گم ہو کر رہ جاتا ہے، جو

باتیں پہلوں سے منقول ہوتی چلی آتی ہیں وہ ان کا دین و ایمان بن جاتی ہیں۔ ان کے سامنے کتاب الٰہی اور اسوۂ رسول کا جاننا اور سمجھنا ایک فضول اور بے کار چیز ہو جاتی ہے فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ۔ بنی اسرائیلیوں کا طرز عمل یہی تھا۔ ان کے یہاں کتاب الٰہی تو مہجور و متروک تھی لیکن چند ٹونے ٹوٹکے اور کچھ مظنونات فاسدہ سرمایۂ دنیا و آخرت بن گئے تھے۔

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ (بقرہ ۹) ان میں بہت سے امی اور جاہل ہیں کتاب (کی تعلیمات) کو جانتے سمجھتے نہیں بجز اپنی خواہشوں کے اور وہ صرف اٹکل پچو ہانکتے ہیں

جو قوم حبل اللہ کا رشتہ ہاتھ سے چھوڑ دے گی، کتاب الٰہی کو اہواء و امانی پر نثار کر دے گی، ظن و تخمین کو علم، اور تقلید آبار کو اتباع کتاب و سنت قرار دے گی بھلا وہ کب فلاح پا سکتی ہے؟ ہر آسمانی صحیفہ قوم کی زندگی کا مکمل دستور العمل ہوتا ہے جس کی طرف وہ چھوٹے بڑے ہر امر میں رجوع کرنے پر مجبور ہے لیکن جب اس پر بدبختی سوار ہوتی ہے تو اس کے افراد اس صحیفۂ الٰہی سے بے خبر ہو جاتے ہیں، اس کے فہم و تدبر میں اپنا وقت صرف کرنا پسند نہیں کرتے اور اگر کبھی ان کے سامنے حقیقت عریاں ہو کر سامنے آتی بھی ہے تو یہ کہکر ٹال دیتے ہیں کہ "مَا اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا" قرآن اہل کتاب کو مخاطب کر کے ان کی اس کورانہ تقلید اور ضلالت پرستی کی سخت مذمت کرتا ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ (مائدہ ۱۰) اے اہل کتاب اپنے دین میں خلاف حق غلو مت کرو اور نہ ان لوگوں کی پیروی کرو جو تم سے پہلے گمراہی کی راہ چل چکے ہیں اور بہتوں کو گمراہ بھی کیا ہے اور سیدھی راہ سے بہک گئے ہیں۔

یہ مرض بہت ہی خطرناک ہوتا ہے۔ گذشتہ قانون میں یہی وقت ہوتا تھا جب قوم کا سفینہ غرق

ہونے کے قریب ہوتا اور انبیاء کرام کا ورود ہوا کرتا تھا۔

یہ اہل کتاب کی تاریخ حیات کا آئینہ اور ان کے تعلقات دینی کی اجمالی تصویر ہے جس کے اندر ان کے جرائم اور بداعمالیوں کے وہ موٹے موٹے خط و خال نمایاں کیے گئے ہیں جنہیں قرآن نے خلافت الٰہی کا تاج چھینتے وقت اتمام حجت کے لیے انھیں پڑھکر سنایا تھا۔ رہیں چھوٹی چھوٹی کمزوریاں اور ہلکی شرارتیں سو اس پر مزید قیل و قال کی کیا حاجت ع

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

جو اونٹ نگل سکتا ہے اُسے مچھر چھاننے کی ضرورت ہی کیوں ہونے لگی؟ جس قوم کا جسم اتنا داغدار ہو اس سے خلافت کی خلعت سعادت اگر اتار نہ لی جاتی تو کیا سنت الٰہیہ کا صریح ظلم نہ ہوتا۔

اب اس آئینہ میں موجودہ مسلمانوں کے خصائص اور حالات کا عکس دیکھیے۔ ایک ایک خط و خال کا مقابلہ کیجیے۔ پھر بتلائیے کہ وہ کونسی قرار داد جرم ہے جو یہودیوں کے جرائم کی فہرست میں تو موجود ہے لیکن مسلمانوں کا نامۂ اعمال اس سے خالی ہے؟ فتنوں کا جو سیاہ بادل ہیکل سلیمانی کے محافظوں پر چھایا ہوا تھا کیا وہ انھیں مہیب تاریکیوں کے ساتھ معبد خلیل کے پرستاروں پر محیط نہیں ہو گیا ہے؟ یہود کا حال قرآن نے بیان کیا ہے جس کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں۔ مسلمانوں کا حال زمانہ سنا رہا ہے جس کی شہادت میں کسی کو اختلاف کی گنجائش نہیں۔ دونوں کے حالات کو ملائیے پھر خدارا مجھے بتلائیے کہ کیا لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ کی ساعت منتظرہ ابھی نہیں آئی ہے؟ جنہیں اس کا یقین نہ ہو اور اب تک انتظار باقی ہو، انہیں یقین کر لینا چاہیے کہ ان کا یہ انتظار کبھی ختم نہ ہوگا۔ باللہ العظیم وہ وقت آگیا جس کی پیش گوئی صادق و مصدوق نے کی تھی۔ کہ ہمارا ہر قدم اہل کتاب کے ہلاکت خیز راستے پر اٹھ رہا ہے۔ ملی افتراق اور قومی تشتت کا دردناک منظر ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ فرقہ پرستیوں کی وبا

بُری طرح پھوٹ پڑی ہے۔ حدیث میں جو یہ مذکور ہے کہ اہل کتاب تو صرف بہتر ہی فرقوں میں منقسم ہوئے تھے لیکن مسلمان تہتر گروہوں میں بٹ جائیں گے سو آنکھوں نے وہ بھی دیکھ لیا۔ ماتم کا مقام ہے اس امت کے حال پر جو دنیا میں وحدت کا پیام لے کر آئی تھی مگر آج اس کے شیرازہ کا پتہ تک نہیں، ہر فرقہ بزعم خود توحید ابراہیمی کا علمبردار اور اسوۂ محمدی کا دعویدار بنا بیٹھا ہے، اور دوسروں پر جہل و بدعت اور فسق و فجور کا الزام رکھکر اس کی بیخ کنی کرنے کے لیے اپنے خون کے قطرے بہانے تک کو تیار ہے۔ چھوٹے چھوٹے مسائل کے اختلاف پر آستینیں چڑھ جاتی ہیں، جہاد فرض ہوجاتا ہے۔ کیا کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۔ کا اس سے بڑھ کر کوئی مظاہرہ ہوسکتا ہے؟ کیا اسلام کے نادان حمایتیوں کو یہ نہیں معلوم کہ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ کی وعید صرف یہودیوں ہی کے لیے نہ تھی؟ اگر انھیں معلوم ہے تو پھر یہ شیعیت، یہ سنیت، یہ اعتزال، یہ اشعریت، یہ اسماعیلیت یہ خارجیت کیا بلا ہے؟ بہائیت اور قادیانیت کونسی لعنت ہے؟ ظاہریت اور باطنیت کی تفریق کہاں سے آئی؟ وہابیت اور مقلدیت کے اکھاڑے کہاں سے قائم ہوئے؟ کیا یہ وہی لعنت نہیں جو یہود پر مسلط کی گئی تھی؟ حاشا میں یہ نہیں کہتا کہ مسائل شرعیہ میں اختلاف کیوں ہوجاتا ہے؟ یہ اختلاف تو فطری چیز ہے لیکن ان اختلافات کی بنا پر فرقہ پرستی اور ہنگامہ آرائی جس کے شور سے سارا عالم اسلام کانپ رہا ہے یقیناً لعنت ہے اور سراسر یہودیت جس سے پیغمبر کو تبری کا حکم دیا گیا تھا۔ کیا مسلمانوں کے لیے سوچنے کی بات نہیں؟

تحریف کتاب کے بارے میں بھی مسلمان اپنے امکان بھر یہودیوں سے پیچھے نہیں رہے۔ معنوی تحریفات دل کھول کر کی جارہی ہیں لیکن تحریف لفظی سے مجبور رہے کیونکہ شروع ہی سے خدا نے اس کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی۔ ورنہ یہ کام بھی کب کا ہوچکا ہوتا۔ زمانہ کی ستم ظریفی!

جو حماسہ اور ابن خلدون کے فقروں کا صحیح ترجمہ بھی نہیں کر سکتے وہ دن دھاڑے قرآن کی تفسیریں بیان کرتے اور ایک نہ ایک اجتہاد کیا کرتے ہیں جسے اسلامی تعلیمات سے دور کا تعلق بھی نہیں ہوتا۔

کتمان حق اور اکل حرام تو آج مسلمانوں کا خاص شیوہ ہے۔ دنیا کے تمام معاملات تو چھوڑیے کہ وہاں تو ان کے نزدیک حق و باطل کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، دین و شریعت کے اہم امور تک میں ہم ایمان کھو بیٹھے ہیں۔ حلوے مانڈے کی خیر ہے تو حق کو باطل ثابت کر دینا کوئی چیز ہی نہیں ہے ہم میں سے کتنے ہیں جو علمائے وقت اور پیشوائے دین ہیں لیکن حکومتوں کے ہاتھ بکے ہوئے ہیں، ایک ہاتھ میں حکومت کی رشوتیں اور دوسرے میں افتاء کا قلم، پھر خانہ کعبہ پر نعوذ باللہ گولیاں چلانا مقصود ہو تو بھی باک نہیں۔ فتویٰ جواز کا مل ہی جائے گا۔ تو پھر کیا اس امت میں اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ کی کمی ہے؟ اور کیا ان نام نہاد مسلمانوں کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ؟

یہود کی بزدلی اور زرپرستی (حب عاجلہ اور کراہیۃ موت) ضرب المثل مانی جاتی ہے لیکن کیا مسلمانوں کا سواد اعظم آج ان کی امتیازی خصوصیت میں برابر کا شریک و سہیم نظر نہیں آتا؟ خدا نے تو کہا تھا کہ اس نے مسلمانوں کا جان و مال خرید لیا ہے لیکن آج کے مسلمان کہتے ہیں کہ نہیں ہم نے دنیا اور دنیا کی زندگی کو مرضات الٰہی اور نعمات اخروی کے بدلہ خرید لیا ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ، جہاد فی سبیل اللہ کبھی اسلام کی تعبیر سمجھی جاتی تھی لیکن آج کے مسلمان اس حقیقت سے کس قدر دور ہیں، چالیس پچاس کروڑ کی آبادی میں بمشکل تین چار کروڑ ایسے مسلمان نکلیں گے جو دشمنان الٰہی کے زور و اقتدار سے آزاد ہوں گے آخر یہ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ کی لعنت انھیں کہاں سے ملی؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ مسلمان دنیا کا

عاشق اور جاہ و مال کا شیدا ہو گیا ہے ؟ اس کی روح شوق شہادت سے بے کیف، تمنائے حیات سرمدی کے نور سے بے بہرہ، اور جبن و کراہیتِ موت کی غلاظتوں سے اٹی ہوئی ہے، وہ غیروں کے سایہ کو غنیمت سمجھتا اور غلامی کی زندگی میں مگن ہے۔ انفاق اور جہاد کا نام سنکر لرزہ براندام ہو جاتا ہے تین سو تیرہ مسلمان سارے عرب و عجم کے خلاف علم جہاد بلند کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں لیکن یہاں چالیس کروڑ کی جمعیت لاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ کی آڑ میں پناہ لے رہی ہے! سچ کہیے کیا یہ لوگ بزبان حال اپنے رسول کو یہ جواب نہیں دے رہے ہیں کہ اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ؟ کیا یہودیوں نے اس کے علاوہ کچھ اور کہا تھا! فاعتبروا یا اولی الابصار۔

رہ گیا علماء سوء کا عذاب اور ترک امر بالمعروف کا جرم سو کس صاحب نظر سے وہ پوشیدہ ہے علماء نے فتنہ انگیزی اور تکفیر بازی کا مشغلہ اختیار کر لیا، پیروں کو روپے اینٹھنے اور قبروں کا طواف کرنے سے فرصت ہی نہیں ملتی، عوام ان کی شفاعت کا یقین کر کے مطمئن بیٹھے ہیں۔ کیا یہ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے حکم سے باہر ہیں؟ یا لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ کی وعید سے ان کے کان نا آشنا ہیں؟ امر بالمعروف تو اس امت کا خاص مشن تھا، خدا نے خیر الامم اور شہداء و للناس بنا کر اسے مبعوث کیا تھا کنتم خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کا خطاب تو اسی کو ملا تھا لیکن ہمارے رہنمایان ملت اس وقت کیا کر رہے ہیں؟ آخر وہ وراثت نبوی کا حق کہاں تک ادا کر رہے ہیں؟ غیر اقوام تک حق کی آواز کا پہونچانا تو در کنار خود مسلمانوں کو مسلمان بنانے کی بھی یہ زحمت گوارا نہیں کرتے۔ ہندوستان کے اندر کروڑوں مسلمان ایسے موجود ہیں جو کلمۂ شہادت تک نہیں جانتے۔ ہمارے علماء کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ کسی بڑے اور تعلیمیافتہ مجمع میں کھڑے ہو کر طلاقت لسان اور قوت گویائی کا مظاہرہ کر دیں بس دارین کے

فرائض سے سبکدوش، پھر جو کچھ زبان سے آندھی طوفان کی طرح سناتے بھی ہیں ان کا ظاہر و باطن ان حقائق سے یکسر کورا ہوتا ہے جو زبان پر آتا ہے دل میں نہیں ہوتا۔ چاہیے تھا کہ خود سراپا عمل بن جاتے پھر ان کی باتیں خاموش ترین لیکن ان کے جسم کا ایک ایک رونگٹا اسلام کا مبلغ بن جاتا اور ان کی پیشانیوں پر چمکتے ہوئے نور حق کا جلال فراعنہ وقت کی گردنوں کو خود بخود جھکا دیتا۔ ورنہ کھوکھلے سینوں اور بے سوز حلقوں سے نکلی ہوئی صداؤں کی تو آج بھی کمی نہیں۔ خدارا بتلائیے سفینۂ اسلام کے ٹوٹے ہوئے تختوں کو تھپیڑے دے دے کر غرق کر دینے اور قوم و ملت کی زخمی روح پر ہلاکت کی چھری پھیر دینے کا خون ناحق کس کی گردن پر ہوگا؟ کیا ہمارے پیشواؤں نے کل کے لیے احکم الحاکمین کے سامنے "اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ" کا کوئی جواب سوچ رکھا ہے؟

دینی معاملات میں عموماً اور دنیوی امور میں خصوصاً احکام شرعی سے بے اعتنائی تو اس قدر عام اور عالمگیر ہو چکی ہے کہ اس پر تمام امت کے اجماع کر لینے کا دھوکا ہوتا ہے۔ مذہب اور سیاست دو متضاد حقیقتیں مان کر مذہب کو سیاسی حدود سے بالکل باہر پھینک دیا گیا ہے۔ اسے ترقی سے مانع اور روشن خیالی کا دشمن خیال کیا جا رہا ہے۔ غلام آباد ہند کو تو چھوڑئیے کہ یہاں کے مسلمانوں کا نام سن کر غیرت اسلامی کی پیشانی، عرق آلود ہو جاتی ہے، وہ ممالک اسلامی جو آزاد ہیں اور جن کی حدود میں اپنا قانون چلتا ہے وہ مغربی اصول و ضوابط کے سامنے احکام دینی کو عہد جاہلیت اور دور وحشت کی یادگار قرار دے رہے ہیں۔ بجز ممالک حجاز کو چھوڑ کر سارا عالم اسلامی یورپ کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔ ممکن ہے کل کو وہ ترقی اور حریت کے آخری زینے پر پہنچ جائے لیکن کیا اس کی یہ ترقی اور آزادی خدا کی نظروں میں بھی محبوب ہو سکتی ہے؟ یہ کیسی بدبختی ہے کہ خلافت الٰہی کے ذمہ دار قانون الٰہی کی اس طرح بے حرمتی کر رہے ہیں۔ کیا وہ قرآن پڑھتے وقت "وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

الظَّالِمُوْنَ کی آیت قاہرہ پر یہودیوں کے شل ہاتھ رکھکر اسے چھپا دیتے ہیں؟ یا پڑھ کر کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں؟

یہود نے کفار اور مشرکین سے جس حد تک موالاۃ کی تھی مسلمان اس سے کئی قدم آگے پہنچ چکے ہیں۔ کتاب وسنت نے کس طرح بار بار انھیں اس شنیع اقدام سے منع فرمایا تھا حتیٰ کہ یہ بھی کہد یا تھا کہ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَهُوَ مِنْهُمْ (جو ان معاندین حق سے ربط و اتحاد رکھیں گے وہ بھی انہیں میں سے شمار کیے جائیں گے) لیکن ان تمام باتوں کے باوجود حاملین کتاب اور خلافت الٰہی کے قائم کرنے والوں نے دوپہر کی روشنی میں کفار اور مشرکین کے گلے میں باہیں ڈالدیں اور پھر یہی نہیں کیا بلکہ وہ بھی کیا جس کا تصور کرکے ایمان وانسانیت کی گردنیں رنج وحسرت کے بارے جھک جاتی ہیں۔ جنگ عظیم میں عربوں کی پاک گولیوں سے ترکوں کے کلیجے چھلنی ہوتے کس نے نہیں دیکھے؟ نیز برطانیہ کے پہلو بہ پہلو ہندوستان کے سلامی سپوتوں کی اپنی ہوی سنگینوں کو مقامات مقدسہ کی حرمت برباد کرنے کا دردناک نظارہ کن نگاہوں سے اوجھل ہو چکا ہے؟ کیا یہ سب کچھ ہو چکنے کے بعد بھی موالات کفار کی کوئی منزل باقی رہ جاتی ہے؟ قرآن نے دعویٰ کیا تھا کہ کوئی جماعت ایسی نہیں پائی جاسکتی جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان بھی رکھتی ہو اور ساتھ ہی دشمنان الٰہی سے الفت ومحبت بھی رکھتی ہو لیکن بیسویں صدی کا مسلمان اٹھا اور اس نے دکھانے کی کوشش کی کہ نہیں ہم اس محال کو ممکن ثابت کر دیں گے (العیاذ باللہ)۔

یہودیوں نے حیلہ سازیوں کے ذریعہ شریعت کو بازیچہ بنا ڈالا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ سور اور بندر بنا دیے گئے۔ آج کے بیشتر مسلمانوں کا ظل عافیت بھی تو یہی حیلے ہیں۔ فقہائے کرام نے حکومت کے لیے قوانین وضع کرتے وقت حیل کا جو باب قائم کیا تھا انہوں نے اس بارہ میں صحیح راہ اختیار کی یا غلط نہیں

ان کی نیتیں ٹٹولنے کا کیا حق؟ پر اتنا تو ضرور ہے کہ یہ حیلے خدا کے نزدیک رسوائی کا باعث ہوں گے، امیر وقت مجبور ہے کیونکہ وہ ظاہر کو دیکھتا اور اسی پر فیصلہ کرنے پر مجبور ہے لیکن عالم الغیب تو باطن کو دیکھتا ہے اس کا فیصلہ اسی کے مطابق ہوگا۔ تفصیل کی ضرورت نہیں۔ ہر اسلامی دنیا سے باخبر انسان کو معلوم ہے کہ مختلف حیلوں سے کتنے منہیات عین نیکی بن گئے اور قوم کی جہل و شہوت پرستی بلا تامل انھیں اختیار کرتی چلی جاتی ہے کیونکہ ان کے ذریعہ نفس کی بہت سی خواہشیں پوری ہوجاتی ہیں۔ لیکن ایسے لوگوں کو اصحاب سبت کی مثال سامنے رکھنی چاہیے۔

رہ گئی باہمی عداوت اور منافرت سو وہ مسلمانوں کی زندگی میں ایسی نمایاں چیز ہے جسے نمایاں کرنے کی کوشش کرنا آفتاب کو چراغ دکھانا ہے۔ سیاسی اختلافات ہوں یا خالص دینی، مدتوں سے وہ اسلام کی جڑمیں گھن کی طرح لگے ہوئے ہیں، ہر جماعت دوسری جماعت کو گردن زدنی سمجھ رہی ہے آئے دن مناقشات کی ہنگامہ خیز خبریں سننے میں آیا کرتی ہیں، قرآن کہتا ہے کہ مومنین کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے سامنے جھکے رہتے ہیں اور کافروں کے لیے سخت ہوتے ہیں لیکن آج ہر مسلم کی تمام کوششیں دوسرے بھائی کی جان و مال اور عزت و آبرو کی بربادی پر صرف ہو رہی ہیں۔ حکومتوں اور ریاستوں کو تو چھوڑیے کہ شہوات نفسانی پر ان کی بنا ہی قائم ہے محراب و منبر تک جنگ و پیکار کے مرکز بنے ہوئے ہیں۔

کن کن مصیبتوں کو گنا یا جائے علماء اور امراء کا جب یہ حال تو عوام کا خدا ہی حافظ۔

قرآن نے یہود پر الزام رکھا تھا کہ چند رسوم ڈھوا ہر اور اپنے ذہن کے تراشے ہوئے مظنونات کے سوا ان کے جیب و دامن میں ہے ہی کیا؟ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ لیکن کیا آج حاملین قرآن کی حالت بے کم و کاست یہی نہیں ہے؟ ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیے تو سہی؟ کتنے فیصدی مسلمان کتاب الٰہی

سمار اور حکم نہ سہی اس کی موٹی موٹی تعلیمات ہی کو جانتے اور سمجھتے ہیں؟ کیا آپ کو یقین ہے کہ جب یَارَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا کی فریاد بارگاہ صمدیت میں پیش ہوگی اس وقت کی ہولناکیوں، پریشانیوں، لعنتوں اور پھٹکاروں سے یہ نام نہاد مسلمان مامون و مصئون رہیں گے جن کو قرآن کی چند آیتیں بھی سمجھ کر پڑھ لینے کی توفیق نہیں؟

سورۂ مائدہ کی تفصیلات کو دیکھا جائے تو باول وہلہ یہ حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آتی ہے کہ شریعت خدا اور بندہ کے درمیان ایک میثاق ہے جسے رسول کے ذریعہ باندھا گیا ہے چنانچہ ایک جگہ صاف تصریح ہے وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔ الایۃ تو پھر وہ لوگ اس میثاق میں کس طرح داخل ہو سکتے ہیں جنھیں اس کی اساسی دفعات سے بھی واقفیت نہ ہو؟ میرے خیال میں یہ مسئلہ نہایت نازک اور تفصیل کا طالب ہے خوف طوالت مانع ہے اس لیے کسی اور فرصت کے لیے اٹھا چھوڑتا ہوں۔ یہاں صرف اس قدر اشارہ کرنا مقصود تھا کہ مسلمان اپنی کتاب سے کس قدر بے خبر اور دور رہیں، حتّٰی کہ ان کا سواد اعظم لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ کا حقیقی مصداق بن چکا ہے۔

آپ نے یہود کے متعلق قرآن کا بیان سن لیا، مسلمانوں کی روداد بالاختصار پڑھ چکے ان دونوں امتوں کے متعلق تحریر کا دامن جتنا ہی پھیلے گا اسی قدر حقیقت واضح ہوتی جائے گی! ایسی کامل مشابہت اور ایسا مکمل تطابق دیکھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمان اپنے پہلوں کے نقش قدم پر ٹھیک ٹھیک نہیں چلے، اور نبی صادق کے مقدس ارشاد کا ابھی ظہور نہیں ہوا؟ پھر اگر یہ کہا جائے کہ جن علمی و عملی گمراہیوں نے یہود کو بے تاج و تخت کیا تھا بے کم و کاست انہیں خرابیوں نے مسلمانوں سے نام خلافت چھین لی ہے اور وہ آج مجموعی لحاظ سے سب سے زیادہ باعزت سب سے زیادہ سربلند

اور سب سے زیادہ نعمات الٰہی کے مستحق ہونے کے بجائے سب سے زیادہ ذلیل، سب سے زیادہ پست اور سب سے زیادہ مفلوک الحال ہیں۔ اور یہی سنت الٰہیہ کا اصول ہے جس کو وہ ابتدائے آفرینش سے اب تک عالم اسباب میں چلاتی رہی ہے اور قیامت تک چلائے گی۔

کیا اب مسلمان ترقی کریں گے؟ جو ہونا تھا وہ ہو چکا لیکن اب زمانہ کی رفتار اور انقلابات کی سریع السیر گردش کے پیش نظر یہ دیکھنا ہے کہ کیا اب پھر مسلمان ابھریں گے اور ان کے سرد لہو میں زندگی کی حرارت پیدا ہوگی؟ ممکن ہے دنیا اس کا جواب نفی میں دے لیکن میرے خیال میں حالات کچھ اور کہہ رہے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ان کے اندر بہت کچھ خامیاں ہیں اور ساتھ ہی یورپین قومیں اپنی معاشی اور عمرانی مشکلات کے لیے اپنے پنجۂ استعماریت کی گرفت محض سخت سے سخت ہی کرنا نہیں چاہتیں بلکہ نت نئی غنیمتوں کی تلاش میں ہیں لیکن وقت کچھ ایسا آگیا ہے کہ اب دنیا کی بے جان چیز بھی حرکت کرنے کا ولولہ رکھتی ہے اور قومیت و خودداری اور زندگی کی جو لہریں دنیا کے مخصوص گوشوں میں اٹھ رہی تھیں وہ اب ربع مسکون کے ذرہ ذرہ پر چھا گئی ہیں۔ دوسری طرف دول متمدنہ کی باہمی چپقلش اور حاسدانہ آویزش نے اپنی ہی حفاظت کو دشوار بنا دیا ہے۔ نئے نئے مقامات پر قبضہ کر کے انہیں دشمنوں کی دست برد سے بچانا محال ہو رہا ہے۔ لہٰذا مسلمان بڑھیں گے اور ضرور بڑھیں گے۔ زمانہ جلد دیکھ لے گا کہ وہ بھی ایک دوسرا یورپ بنا کر چھوڑیں گے۔

ترقی کی دو راہیں ہاں صرف سوال یہ ہے کہ ان کی ترقی کا راستہ کونسا ہوگا؟ اس کا جواب جو کچھ بھی ہو لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ان کی ترقی کی راہیں کون کونسی ہو سکتی ہیں؟ میرے ناقص خیال میں تو دو راہوں کے سوا تیسری کوئی راہ نہ ہوگی۔ یا تو وہ یورپ کے سانچے میں ڈھلیں اور اس کے اصول کو لیکر میدان میں اتریں، یا پھر گردن موڑ کر پیچھے ہٹیں اور صدیق اکبر، فاروق اعظم، حیدر کرار، خالد سیف اللہ اور عثمان غنی (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو اسوہ قرار دیں اور کتاب الٰہی کو لے کر میدان میں آئیں

آئین یہ دونوں راہیں مادی ترقی کی راہ میں کامیاب ثابت ہوچکی ہیں لیکن روحانی و اخلاقی ترقی کے لیے ایک اور صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ وہی ہے جو خدا نے بتائی ہے۔ یہود کو معزول و مغضوب کردینے کے بعد اس نے انھیں ازسرِنو زندگی اور قوت حاصل کرنے کا راستہ بتلایا تھا کہ اگر تم خلافت الٰہی کی کھوئی ہوئی نعمتوں سے فراز ہونا چاہتے ہو تو میری خالص اطاعت اور میرے احکام کا کامل اتباع کرو۔ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ (بقرہ ۱۳)۔ اگر تم قرآن کو قائم کرو اور اس کی روشنی میں راہ نجات تلاش کرو تو تم بہرحال نعمات الٰہی کے حق دار ہوگے کیونکہ اس سے بڑھ کر صاف اور سیدھی راہ کوئی نہیں۔ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ کا نسخۂ سماوی انھیں یہود کو تبلایا گیا تھا۔ یہود کی کتاب محرف ہوچکی تھی۔ ہدایت کے لیے دوسرا دستور العمل نازل ہوا۔ مسلمانوں کی کتاب محفوظ ہے۔ انھیں دوسرے صحیفہ کی ضرورت نہیں۔ وہ اس پر عمل کرسکتے ہیں۔ اسلام کے پیرؤں کو ترقی کی دُھن میں اور کامیاب راہ کی جستجو کے شوق میں اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ کو ضرور سامنے رکھنا چاہیے۔

قائدینِ امت سے خطاب اب سوچنے اور غور کرنے کا مسئلہ یہ رہ جاتا ہے کہ مسلمانوں کا طبعی رجحان کس طرف ہے؟ کونسی راہ ہے جسے وہ اپنے لیے زیادہ مفید، پر امن اور کامیاب سمجھ کر اس پر چلنا چاہتے ہیں؟ ترکی، ایران اور عراق ترقی کے قدم نسبتاً آگے بڑھا چکے ہیں لیکن اس طرح پر کہ گویا مذہب اور دنیوی زندگی کی راہیں الگ الگ ہیں۔ افغانستان اور مصر کا تیور بھی کچھ یہی کہہ رہا ہے۔ ان اسلامی ممالک میں تقلید یورپ اور اتباع مذہب دونوں کا تصادم ہو رہا ہے لیکن حالات سے ہر باخبر انسان بخوبی جانتا ہے کہ مغربی تہذیب و تمدن، اسلامی تمدن، کلچر، اصول معاشرت، اور طرز حکومت پر کس طرح غالب ہوتا جا رہا ہے پھر اگر ان ممالک نے ترقی کی معراج حاصل کر بھی لی تو اشد

اور رسول کی نظروں میں اس عزت اور ترقی کی کیا حیثیت ہوگی؟ کیا یہ اسلامی حکومت کہی جا سکے گی؟ کیا خلافت الٰہی کا کھویا ہوا تاج و تخت انھیں حاصل ہو جائیگا؟ کیا اس وقت انھیں تائید الٰہی حاصل ہو جائے گی؟ کیا وہ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کے مصداق ہو جائیں گے؟ کیا وہ متقین اور صالحین کی وہ جماعت بن جائیں گے جن کی نصرت کے لیے ملائکہ نازل ہوا کرتے تھے؟ اگر ایسا نہ ہوگا اور یقیناً نہ ہوگا تو ہمارے قائدین ملت کو وقت کی نزاکت کا احساس کرنا چاہیے۔ اگر پوری امت اسی سیلاب کی رو میں بہ گئی تو پھر نہایت ہی ماتم کا وقت ہوگا۔ اس وقت امت کا خدا سے رہا سہا رشتہ بھی منقطع ہو جائے گا خطرہ ہے پھر معلوم نہیں ان خوفناک فتنوں کا قدرت کیا جواب دے؟ اسلام کے دردمندوں کو چاہیے کہ ان فتنوں کے مقابلہ کے لیے بشرطیکہ انھیں اپنی مسئولیت اور ذمہ داری کا کچھ بھی ڈر ہو، خانقاہوں کی ہوا اور مدرسوں کے حجروں سے باہر نکلیں۔ کتاب الٰہی کی روشنی میں منزل مقصود کو تلاش کریں۔ امت کی شیرازہ بندی اور قوم کی مکمل تنظیم کا ہر ممکن طریقہ اختیار کریں اور ان مفاسد کا سب سے پہلے سدباب کریں جو اختلاف و نزاع کے جراثیم پیدا کرکے وحدت امت کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ ان کے ظاہر و باطن پر پڑے ہوئے غلاف ضلالت کو اٹھایا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے اتنے عظیم الشان انقلاب کا مطلب قوم کو بالکل نئے سانچے میں ڈھالنا ہوگا جس کے لیے کافی غور و فکر کے ساتھ کافی حزم و احتیاط اور عزیمت و استقلال کی ضرورت ہوگی۔ اگر یہ کام کرنے کا ہے اور وقت کا سب سے پہلا اور ضروری فرض ہے تو ہمیں اپنا نظریہ پیش کرنے سے پہلے ارباب بست و کشاد کے فیصلوں کا انتظار ہے۔